ڈاکٹر شبنم نیاز
استاد شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور
سحر مبین
اسکالر، پی ایچ ۔ڈی، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

سر سید احمد خان کی تعلیمی وسیاسی بصیرت اور عصری شعور

Sir Syed Ahmad Khan's Educational and Political Insight and Consciousness of His Times

Sir Syed Ahmad Khan is a renowned researcher, editor, translator, philosopher and founder of Aligarh College. He was the master in oriental and western science. He observed western culture very closely and after, he made up his mind that if Muslims want to compete with Global powers of their age, they have to embrace the concepts of western materialistic science. He earned a lot of respect in different aspects of creative work like research, criticism, history, biography translation editing and prose. This article consists of an account of his work as well as analysis of his services for Indian Muslims and Urdu literature.

Keywords: Renowned, Researcher, Translator, Philosopher, Global, Aspects, Literature.

کسی بھی ملک کے سیاسی، سماجی، معاشی، ذہنی، ادبی، علمی اور ثقافتی رجحانات اس سرزمین کے حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ برصغیر کے معاشرے کی بھی یہی صورت حال تھی کہ یہاں کا معاشرہ مختلف قوموں میں بٹے ہونے کے ساتھ ساتھ دو بڑی قوموں میں منقسم تھا۔ ایک مسلم معاشرت اور دوسری ہندو معاشرت یہ ہر دو بڑی قوتیں نہ صرف مذہب بلکہ تہذیب، زبان، عقائد، رسم و رواج، تاریخ اور طرز زندگی میں بھی ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ یہ بڑا تفاوت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ابھر کر سامنے آیا جس نے ہندوستان کی تاریخ ہی بدل دی۔ اسی فرق نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو غدر اور بغاوت کا نام دیا۔ اس واقعے نے ہندوستان کے ہر خاص و عام اور تمام شعبہ زندگی کو متاثر کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد علمی و ادبی میدان کے علاوہ ملکی سیاست میں جو مسلم شخصیت سب سے زیادہ نمایاں ہوئی وہ سر سید احمد خان کی ہے۔ سر سید احمد خان وہ تاریخی شخصیت ہیں جنہوں نے اکبر شاہ ثانی کا دور بھی

دیکھا اور بہادر شاہ ظفر کے عہد زوال کے بھی گواہ ہیں لیکن سر سید کا غالب رجحان انگریز پالیسیوں اور جدید تعلیم کی طرف تھا۔ ان کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کے تشخص اور وقار کو پہنچا ہے۔ اگر مسلمانان ہند اپنا کھویا ہوا تشخص اور وقار دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اس عہد کے تقاضوں کے مطابق قدم سے قدم ملا کر چلنا ہو گا۔ سر سید احمد خان انیسویں صدی کے ان عظیم رہنماؤں میں سے تھے جن کی جدوجہد سے ہندوستانی قوم کی صد سالہ کشمکش ایک منطقی انجام تک پہنچی۔ ان کی شخصیت میں ہمیں ایسے انسان کی جھلک نظر آتی ہے جس نے اپنی ان تھک بے لوث مساعی اور تحریروں سے ایک شکست خوردہ قوم میں اعتماد اور یقین کی وہ روح پھونکی جس نے بالآخر استعماری طاقتوں اور عیاریوں کو شکست دی۔ انہوں نے ہندوستانی قوم میں از سر نو اعتماد بحال کرنے کی جس جدوجہد کا آغاز کیا وہ بخیر وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اس جدوجہد کے صلے میں لوگوں کے طعن، تذلیل، پھبتیوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں کافر، ملحد، کرسٹان اور نہ جانے کیا کچھ کہا گیا مگر انہوں نے خلوص دل سے اپنے کام کو جاری رکھا۔

مولوی سید اقبال علی سر سید احمد کی بے لوث مساعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ سچ ہے کہ کوئی قوم اور کوئی رفارمر کسی زمانے میں ایسا نہیں گزرا کہ جس کے ساتھ اس زمانے کے لوگوں نے بدسلوکی نہ کی ہو اور اس کو لعنت وملامت کا نشانہ نہ بنایا ہو مگر اسی زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو ان کی نہایت قدر کرتے تھے اور ان کی کوششوں میں شریک بھی ہوتے تھے۔ ہم کو خیال تھا کہ یہ زمانہ صرف پہلی قسم کے لوگوں سے بھرا ہوا اور دوسری قسم کے لوگوں سے خالی ہے مگر سید احمد خاں کے سفر پنجاب نے اس خیال کو بالکل مٹا دیا۔۔۔ سید احمد خاں صاحب ایک ضعیف آدمی، پنشن پانے والے، گوشہ نشین ہیں۔ نہ وہ امیر ہیں نہ کسی ملک کے حاکم، نہ صاحب مال ودولت، ان سے بہت زیادہ پرہیز گار۔ ہاں ایک جوش قومی ہمدردی کا، جو سید احمد صاحب کے دل میں ہے وہ کسی میں نہیں۔" (۱)

۱۸۵۷ء کے بعد کا ہندوستان ایک ایسے دوراہے پر کھڑا تھا جہاں نہ واپسی کا کوئی راستہ تھا اور نہ آگے بڑھنے کا حوصلہ ایسے میں تحریک سر سید ایک ایسی مشعل راہ بن گئی جس کی روشنی میں باشعور مسلمانان ہند نے تابناکی حاصل

کی۔ان کی سیاسی بصیرت، معاملہ فہمی اور زمانہ شناس نظروں نے اہل ہند کو علم و ہنر کی آگہی، تہذیبی شعور اور جدید انداز فکر دیا۔زمانوں کے بدلتے تقاضوں کے مطابق انہوں نے قومیت سازی میں اہم کردارادا کیا۔

مسکین علی حجازی لکھتے ہیں:

"ان کی تحریک نے ہم عصر معاشرے کو کئی حیثیتوں سے متاثر کیا۔اس تحریک نے ذہنی تربیت تمدنی مظاہر کی تشکیل وتعمیر اور مادی حالات کو ساز گار بنانے میں اہم حصہ لیا۔"(۲)

سر سید احمد خان کی تحریروں اور مساعی کا ایک بڑا مقصد مسلمانوں کے حسن معاشرت، تہذیب، رسم ورواج، مذہب اور روایت و عقائد سے متعلقہ غلط اوہام اور ابہام کو دور کرنا تھا جو ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز حکمرانوں کے دلوں میں ڈال دیا گیا۔

ڈاکٹر امت الحمید ہندوستان کے معاشرے پر چھائے ہوئے غیر ملکی تسلط کے اندھیروں کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت کے اثر سے ہندوستان میں نہ صرف سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں بلکہ زندگی کے تمام شعبہ فکر کو زندگی کے ہر شعبہ میں عروج و کامرانی حاصل کرنے کا سنہری موقع ملا لیکن مسلمان برطانوی حکومت کے پنجہ ظلم و استبداد کا شکار ہو کر تباہی و بربادی کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔ان کی اسلامی تہذیب اور ان کے علوم و اثرات حکومت کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے انھوں مسلمانوں کو کمزور اور بے بس کرنے کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔" (۳)

سر سید احمد خان کو اندیشہ تھا کہ اگر انگریز حکمرانوں کے ذہن سے مسلمانوں سے وابستہ ابہام اور رنجشوں کو دور نہ کیا گیا تو اس کے نتائج مسلمانان ہند کے لیے ٹھیک نہ ہوں گے اور ان کا یہ اندیشہ سو فی صد درست تھا کیونکہ اس وقت مسلمان نہ صرف انگریز حکمران کی ناراضگی اور ہندوؤں کی عیاری کا شکار تھے بلکہ وہ اپنی گم گشتہ اسلاف اور شاندار ماضی سے بھی بر سر پیکار تھے۔انھیں ذہنی، معاشی اور معاشرتی دباؤ کا سامنا تھا۔وہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہے تھے۔مذہبی علماء اپنے اپنے نظریات کی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے۔مسلمان اکابرین اپنی کھوئی ہوئی میراث پر نوحہ خواں تھے اور مسلم نوجوان اپنی ناقدری اور نا انصافی پر شاکی و نالاں تھے۔ ایسے میں سر سید ایک

معلم، ناقد، راہنما اور نجات دہندہ کے روپ میں ابھرے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جدید تعلیم کے ذریعے مسلمان ازمنہ وسطیٰ کے ذہن سے نکل کر روشن خیالی کے دور میں داخل ہوں اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے۔

آل احمد سرور لکھتے ہیں:

"ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اس عقلیت کو جو روشن خیالی کے دور نے مغرب کو عطا کی تھی اپنا رہبر بنایا، علم کی جستجو کی اور عقل اور علم دونوں کو فطرت یا نیچر میں سمو دیا۔"(۴)

سر سید احمد خان نہایت زیرک، دور اندیش اور وقت کے تقاضوں کو فوراً سمجھ جانے والی بصیرت رکھتے تھے۔ مغل حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ان ذہن رسا نے انہیں آنے والے وقت سے آگاہ کر دیا۔ اس ذہنی ارتقاء کے سفر میں انہوں نے ضروری سمجھا کہ اس سوچ میں ان کی قوم بھی ان کے ساتھ شامل ہو ورنہ یورپی استعماری قوتیں ہند کے مسلمانوں کے نسل پرستانہ استحصال اور غارت گری کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کا آغاز کر دیں گی جس کے اثرات آنے والی صدیوں میں بھی زائل نہ ہونگے۔ ایسے میں سر سید کے ترقی پسندانہ شعور اور مسلمانانِ ہند سے گہری وابستگی نے ان سے ایک معلم، رہنما اور نجات دہندہ کا کردار ادا کروایا۔ یہ فکر ایک طرح سے سر سید کی قائدانہ صلاحیتوں کا ادراک تھی جس نے ۱۸۵۷ء کے بعد ان سے اسباب بغاوت ہند جیسی تصنیف تخلیق کروائی۔ تہذیب الاخلاق، سوسائٹی میگزین، اخبار سائینٹفک سوسائٹی اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ سر سید کے وہ کارنامے ہیں جن سے مسلمانوں میں نئے تقاضوں کو سمجھنے اور ان کے ساتھ چلنے کی ضرورت کا ادراک ہوا۔

ڈاکٹر محمد خان اشرف سر سید کی فکر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سر سید احمد خان انیسویں صدی کے ہندوستان کے ایک عظیم عقلیت پسند انسان اور مفکر تھے ان کا یہ تصور ان کے علمی اور فلسفیانہ افکار کی بنیاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سائنس اور مغربی تعلیم پر اس قدر زور دے رہے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کا باعث یہ تھا کہ مسلمان اپنے علوم اور اپنے تمدن میں "عقلیت پسندی" سے منہ موڑ کر توہم، روایت پرستی اور رسومات میں گم تھے" (۵)

سر سید احمد خان نے سامراجی چالوں کا جواب بہترین حکمت عملی سے دیا۔ اپنے تدبر، حکمت عملی اور سیاسی بصیرت سے انھوں نے ہند کے مسلمانوں کو جدیدیت کی راہ پر ڈالا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد علمی و ادبی سطح پر سر سید

احمد خان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے اپنی ذات کو مسلمانان ہند کی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔ سر سید احمد خان کے نمایاں کارناموں میں رسالہ اسباب بغاوت ہند، انگریزی سکول کی بنیاد، غازی پور سائنٹفک سوسائٹی، علی گڑھ کالج کا قیام اور ۱۸۵۷ء کے حوالے سے انگریز اور مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والی رنجشوں کو دور کرنا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سر سید نے مسلمانوں کی زبوں حالی کو دیکھا تو انھوں نے ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے مجلس تشکیل دی اور ہندوؤں کی سازش کو سمجھتے ہوئے مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت سے بھی روکا۔ وہ ہندوستان میں بسنے والے مختلف ذاتوں، فرقوں، اور مذاہب کے لوگوں کو ایک قوم تصور نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مسلمانان ہند کے الگ تشخص اور شناخت کے حامی تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے سیاست میں بھی عملی حصہ لیا اور ۱۸۶۸ء میں علی گڑھ میں برٹش انڈیا ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔

مسلمانوں کو جدید علوم سے آگاہ کرنے کے لیے سائنٹفک سوسائٹی اور سیاسی بصیرت پیدا کرنے کے لیے محمڈن پولیٹکل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ محمڈن اینگلو اورینٹل سکول بھی اسی سلسلے کی بنیادی کڑی ہے۔ سر سید تعلیم، مذہب، سیاست اور تہذیب و تمدن کے حوالے سے واضح نقطہ نظر رکھتے تھے جس کی بھرپور مخالفت بھی کی گئی مگر وقت نے ثابت کیا کہ سر سید کا عصری شعور دیگر مسلم لیڈروں کے برعکس زیادہ واضح تھا۔ سر سید احمد خان نے قوم کے دل میں جداگانہ حیثیت کا وہ احساس پیدا کیا اس نے مسلمانوں کو قعر گمنامی اور پستی سے نکالنے میں نہ صرف معاونت کی بلکہ ان میں نیا تعلیمی شعور بھی بیدار کیا۔

عقیلہ جاوید سر سید احمد کی تعلیمی مساعی کے بارے میں لکھتی ہیں:

> "انھوں نے مشرق و مغرب کے افکار کے حسین امتزاج سے ایک نیا لائحہ عمل تیار کیا۔ دنیاوی معاملات کا احساس دلایا۔ عقل، تجربے اور مشاہدے کے اصولوں کو اپنا کر زبان و ادب کے نئے سانچوں کے ذریعے نئے خیالات کو پیش کیا۔ مقاصد جمیلہ کی گرمی شوق و جوش نے اردو کو گوشہ گم نامی سے نکال کر پستی سے بلندی تک پہنچایا اور خاص و عام میں مقبول بنایا۔ انھوں نے ماضی کی صالح روایات اور جدید تہذیب سے استفادہ کر کے اپنے وقت کی اچھی تعمیر کی اردو ادب کو درباروں اور خانقاہوں کی محدود فضاء سے نکال کر تمام حلقوں اور شعبوں میں عام کیا۔" (۶)

سر سید احمد خان سے اردو نثر کی ایک نئی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ جدید نثر کو حقیقت نگاری کا انداز سر سید کے مضامین نے ہی بخشا۔ موجودہ دور میں نثر میں جتنا بھی حقیقت نگاری کا رجحان نظر آتا ہے وہ بہت کچھ نثر سر سید کی عطا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے اردو نظم و نثر کا کارواں قدیم راہوں پر رواں تھا۔ سر سید کی نثر جدید نثر کا وہ سنگ میل تھی جس نے عصر حاضر تک جدید نثر کو خاص رنگ عطا کیا۔ سر سید کو جدید اردو نثر کا بانی کہا جاتا ہے اور یہ درست ہے۔ انھوں نے نثر کی خوبصورتی سے زیادہ مطلب نویسی پر توجہ دی۔ غالب کی طرح وہ بھی طرز کہن سے ہٹ کر جدت، انفرادیت اور جدیدیت کی راہ اپنانے والوں میں سے تھے۔ انھوں نے فکر وادب میں روایت کی تقلید سے انحراف کرتے ہوئے آزادی موضوع اور آزادی اسلوب کو اہمیت دی۔ خالص ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو سر سید نے اپنے مضامین کی جامعیت اور اسلوب سے نثر کو مصنوعی پن یعنی تصنع اور طوالت سے نکال کر سادگی، اختصار اور جامعیت کی راہ پر گامزن کیا انھوں نے ادب کو مقصدیت عطا کی۔ رنگین بیانی کی بجائے براہ راست مطلب نویسی کا انداز اپنایا۔ آرائش زبان اور لفظی بازیگری کی جگہ پر وقار، مؤثر اور جامع انداز تحریر کو فروغ دیا۔ ایسا نہیں تھا کہ عہد سر سید میں پر تکلف، مقفیٰ اور مسجع اسلوب کی مثالیں نہیں تھیں یا ان کا رواج نہیں تھا بلکہ حقیقت میں ایسی ہی پر تکلف تحریروں کا رواج تھا انہیں کے درمیان رہتے ہوئے سر سید نے سادہ و سلیس اور عام فہم زبان کو فروغ دیا۔

امت الحمید کوثر عہد سر سید کے لوگوں کے ذہنی و فکری رویوں کے بارے میں لکھتی ہیں:

> "سر سید جن حالات اور ماحول میں پروان چڑھے اور جس زمانہ اور جس مقام میں نشوونما پائی وہاں علمی فضاء کا دور دورہ تھا۔ دلی بڑے بڑے باکمالوں کا گڑھ تھی۔ سر سید کو مفتی صدرالدین آزردہ، مرزا غالب، اور مولانا امام بخش صہبائی جیسے اہل علم و ادب بزرگوں اور اساتذہ فن کی صحبت نصیب ہوئی۔ ابتداء ہی سے ان کو تالیف و تصنیف کے کاموں سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ میرا جس قدر دل تصنیف و تالیف میں لگتا ہے کسی اور کام میں نہیں لگتا۔ انہیں شروع ہی سے اردو زبان سے ایک خاص قسم کا لگاؤ اور قلبی تعلق تھا۔ ان کا لسانی شعور بھی دہلی کی فضا کا پروردہ تھا۔" (۷)

سر سید کے عہد میں جہاں مسلمانان ہند نے بہت کچھ کھویا وہیں ان میں نئے تقاضوں کو سمجھتے اور ان کے ساتھ چلنے کی ضرورت کا ادراک بھی پایا۔ اور اس ذہنی ارتقاء میں سر سید کے عصری شعور کا بڑا ہاتھ ہے۔ انہوں نے ایک پژمردہ اور مایوس قوم میں امید اور اعتماد کی روح پھونکی۔ ان کی تعلیمی اور سیاسی بصیرت اور شعور نے مسلمانوں کو

وقت سے مقابلہ کرنے کی قوت بخشی۔ سرسید کی تحریک اور تحریر دونوں کا مقصد ہندوستانی مسلمانوں کو بیدار کرنا ،انہیں بے عملی اور مایوسی سے نجات دلانا اور بحیثیت قوم اپنا مقام اور ترقی حاصل کرنا تھا۔ انھوں نے اپنی تحریروں کو اظہار مطالب کا ذریعہ بناتے ہوئے ایک مقصد دیا۔ مذہب، معاشرت، ادب، سیاست اور زندگی کے ہر گوشے پر روشنی ڈالی اور ان کی ضرورت، مقصد اور افادیت کو واضح کیا۔

سرسید احمد خان وہ معلم، پیغامبر اور راہنما تھے جنہوں نے سیاسی اور ادبی دونوں سطح پر اپنے کردار کو بخوبی نبھایا اور لوگوں کی مخالفت اور ناپسندیدگی کے باوجود اپنی جدوجہد کو ایک فرض سمجھ کر ادا کرتے رہے۔ انہوں نے مسلمانانِ ہند کے ذہنی الجھاؤ اور مسائل کو عقلیت پسندی کی روشنی میں دیکھا اور عقل کے حق میں فیصلہ دیا وہ دل سے زیادہ عقل پر یقین رکھتے تھے۔ سنبل نگار سرسید کے کارناموں کے متعلق رقمطراز ہیں:

> "مذہب، معاشرت، ادب، سیاست۔۔۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو سرسید کی توجہ سے محروم رہا ہو لیکن وہ شے جسے سرسید کی نظر التفات نے مٹی سے سونا بنا دیا وہ اردو ادب اور خاص طور پر اردو نثر ہے۔۔۔ سرسید کا اصل مقصد ہندوستانی مسلمانوں کو بیدار کرنا، بے عملی سے نجات دلانا اور ترقی کے لیے کوشش کرنا تھا۔ چنانچہ ان کے پاس کہنے لیے بہت کچھ تھا۔ " (۸)

خالص ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو اختصار، جامعیت اور سادگی کے باوجود سرسید کی نثر بڑے سے بڑے علمی سرمائے کا مقابلہ کرتی ہے۔ سرسید احمد خان نے پہلی بار سنجیدو علمی، تاریخی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور ادبی موضوعات پر مضمون نویسی کا آغاز کیا انھوں نے سادگی اور سلاست کو اپناتے ہوئے اس میں ایسا طرز تحریر متعارف کروایا کہ بہت سے لکھنے والوں نے اس کو اپنایا۔ ان کی تحریروں نے مسلمانانِ ہند کے لئے دو بڑی خدمات سر انجام دیں۔ ایک سیاسی شعور بیدار کیا دوسرے ادب کو مقصدیت عطا کی۔ ادب برائے ادب کی جگہ ادب برائے زندگی کی ضرورت کی آگہی دی۔

تحریک سرسید ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک ایسا جراءت مندانہ قدم تھا جس نے ان کے لئے سوچ اور فکر کے نئے در وا کیے۔ وہ جہالت کو انسان کا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے سفر انگلستان، انگریزوں سے میل جول اور وسیع مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صرف تعلیم ہی عوام کے مزاج و کردار اور سوچ میں تبدیلی لا سکتی ہے۔ جدید تعلیم وہ روشنی ہے جس سے پس ماندہ ذہنوں کو جلا مل سکتی ہے اور برصغیر کی عوام

ترقی کی جانب گامزن ہو سکتی ہے۔وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان جدید تعلیم حاصل کر کے دنیا کے ترقی پذیر دھارے میں شامل ہوں صرف تعلیم ہی ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے مسلمان دشمن ذہنوں کو ختم کیا جاسکتا ہے۔وہ ضروری سمجھتے تھے کہ نئے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے زمانے کے قدم سے قدم ملا کر چلا جائے۔ڈاکٹر طیبہ خاتون سر سید کی فکر کے لوگوں پر اثرات کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> "انہوں نے اپنے تعلیمی، سماجی، مذہبی، تہذیبی اور اصلاحی متن سے اس دور کے تمام با شعور افراد کو دعوت فکر دے کر ان میں جوش و حوصلہ پیدا کیا اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کیا۔ان کی تحریک نے خیالات و افکار کے تصادم کا عمل تیز تر کر دیا۔اور سیاست، معاشرت، تہذیب و ادب غرض کہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق اس عہد میں مختلف نقطہ نظر سے لکھا جانے لگا۔" (۹)

سر سید صاحب بجنور سے مراد آباد آئے تو ان کے اندر ایک شدید خواہش بیدار ہوئی کہ وہ مسلمانوں کو سن ستاون کے ہنگاموں میں قائدانہ شرکت کے الزامات سے بچائیں۔اس سوچ کے زیر اثر انہوں نے نئی سیاسی حکمت عملی کو اپنایا اور مسلمانوں کے دینی نقطہ نظر میں تبدیلی کی کوشش کی۔اس خاص نقطہ نظر کے تحت انہوں نے جدید علم کلام کی بنیاد رکھی۔انہون نے یہ ضروری سمجھا کہ حکمرانوں اور مسلمانوں کے مابین دینی بنیادوں پر سمجھوتہ اور سیاسی رابطہ بحال کیا جائے اس ضمن میں انہوں نے جو تصانیف لکھیں وہ ان کے خیالات کو واضح کرتی ہیں۔ ان تصانیف میں

- ☆ تاریخ سرکشی بجنور
- ☆ رسالہ اسباب بغاوت ہند
- ☆ رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا
- ☆ تبئین الکلام شامل ہیں

ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں

> "اس دور میں سر سید کا نقطہ نظر علمی اور خالصتاً دینی تھا۔زندگی کی مادی قدروں کی پوری اہمیت ابھی ان پر منکشف نہیں ہوئی تھی وہ مسائل حاضرہ کی بجائے تاریخ کی طرف توجہ اور مجرد حقائق اور محض علمی تصورات کے دلدادہ تھے۔چنانچہ اس زمانے میں مناظرہ اور عقائد ان کی جستجو کے خاص میدان تھے اگر کبھی اس کوچے سے باہر قدم رکھا بھی تو انہوں نے پتھروں اور اینٹوں کو مرکز توجہ بنایا۔یعنی آثار قدیمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔گویا ابھی وہ اجتماع انسانی کے مادی مسائل سے بہت دور تھے۔"(۱۰)

ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی واجتماعی زندگی کو کمپنی کی حکومت اور ہندوؤں کی سازشوں نے جس بے رحمی سے زوال کے قریب لا کھڑا کیا تھا اس کے اثرات ہر خاص وعام کے چہروں سے مترشح تھے۔ تاریکی، مایوسی اور ناامیدی کے اس دور میں سرسید احمد خان امید کی کرن لے کر میدان میں اترے۔ انھوں نے نہ صرف اخلاقی، سیاسی، اور سماجی حوالے سے بلکہ علمی و ادبی حوالے سے بھی ہند کے مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کو عصری شعور اور آگہی دی۔ اس حوالے سے علی گڑھ تحریک کا کردار کسی تعاون کا محتاج نہیں۔

سرسید احمد خان کے دل میں شروع ہی سے مسلم امہ کی بھلائی کا خیال تھا اور فلاح عامہ کے امور میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ ان کے خلوص اور نیک نیتی نے ان سے غیر معمولی کام کروائے۔ سرسید نے جس دور میں علی گڑھ تحریک کی بنیاد رکھی وہ اس دور کی اہم ضرورت تھی۔ ہند کے مسلمان اور نوجوان یقین اور غیر یقینی کی فضا میں جھول رہے تھے۔ سرسید کی تحریک نے انہیں ایک مقصد دیا اور زندگی کو بہتر ڈگر پر لے جانے کے اصول واضح کئے۔ مغل سلطنت کا شیرازہ تو بکھر اہی تھا بغاوت ہند کے اثرات نے مسلمانوں کے حال اور مستقبل دونوں کو ہی تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔ ایسے میں سرسید نے اہل ہند کو جدید تعلیم کے حصول کے لیے آمادہ کیا۔ سرسید احمد خان ویسے تو شروع سے ہی اہل ہند کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے مگر سن ستاون نے ان کے ذہن کو جھنجوڑ کے رکھ دیا۔ ان کے ذہن رسا نے اس کے اثرات اور نتائج کو جس طرح پرکھا اور اس سے نپٹنے کے لیے جو لائحہ عمل اختیار کیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ ان کے ادراک اور آگہی نے سب سے پہلے جدید تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ علی گڑھ تحریک کے ساتھ سکول، کالج، انجمنیں اور رسائل واخبارات کا اجراء بھی کیا۔

مسلمان نوجوانوں کو جدید تعلیم کی ضرورت اور افادیت کے لیے ہر ممکن قدم اٹھایا۔ انہوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہب، معاشرت، ادب اور سیاست پر بھی خصوصی توجہ دی اور یہ تمام کاوش مسلمانوں اور نوجوانوں کے لیے تھیں۔ ان کے دل میں ہند کے مسلمانوں کے لیے جو درد اور جذبات تھے وہ انہیں بے چین رکھتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بے شمار اصلاحی واخلاقی مضامین لکھتے تھے جن میں شستہ، سلیس اور آسان اسلوب میں ہند کے مسلمانوں کو درپیش مسائل کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ ان کا حل بھی پیش کیا۔ علی گڑھ تحریک کے ہر عمل پر سرسید کی شخصیت کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے قدامت سے جدیدیت کے سفر کا آغاز کیا اور مسلمانوں کے ذہنوں کو وقت کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا سبق دیا۔ سرسید احمد خاں نے مسلمان نوجوانوں کو قومی مسائل کا حل کرنے کے لیے جدید تعلیم کے حصول اور عملی طور پر کچھ کرنے پر آمادہ کیا۔ اس سفر

میں بہت سے اکابرین اور مدبرین میں ان کے ساتھ شامل ہوئے جس نے سرسید کی مساعی کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ سرسید نے ہند کے مسلمانوں کے زوال اور اسلام کی خستہ حالی کی وجوہات جاننے کی بھی کوشش کی۔ "تہذیب الاخلاق" میں قومی، معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی موضوعات پر مضامین لکھے۔ ان کی یہ کاوشیں محدود نہیں تھیں۔ بلکہ ان کا دائرہ کار پورے ہندوستان پر محیط تھا۔ انہوں نے قدیم روایات سے ہٹ کر جدید طرز حیات اور انداز فکر کی ضرورت پر زور دیا۔

ان کی طرز فکر اور عملی کوششوں نے زندگی کے ہر شعبے پر اثر ڈالا۔ سرسید کے تنقیدی اور تحقیقی شعور سے آج بھی محققین اور ادب کے قارئین استفادہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں سے دلی محبت کے جذبے نے انہیں قومی کاموں کی تحریک دی۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کی بھلائی اور بہتر مستقبل کے لیے فکر مند رہے۔ اپنے عہد کے تقاضوں کو سمجھ کر اپنی زندگی کا لائحہ عمل تیار کرکے خود کو اس کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔ یہ تبدیلیاں معاشی ہوں، معاشرتی ہوں، سماجی ہوں، تعلیمی ہوں، سیاسی ہوں یا ادبی ان سب میں عصری شعور کا ارتقاء نہایت ضروری ہے۔ سرسید احمد خان کو ان کا گہرا ادراک تھا جس کے زیر اثر انھوں نے مسلمانان ہند کے لیے قلمی اور عملی ہر طرح کی خدمت سر انجام دی۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال علی، مولوی سید "سید احمد خان کا سفر نامہ پنجاب" (مرتبہ) شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، ص: ۱، ۲

۲۔ مسکین علی حجازی "صحافت کی مختصر ترین تاریخ"، ص: ۸۹

۳۔ امت الحمید کوثر، ڈاکٹر "زبان وادب" مشمولہ "اردو نثر کے اسالیب" (مرتبہ) ڈاکٹر عقیلہ جاوید، ص: ۴۷

۴۔ آل احمد سرور "مجموعہ تنقیدات"، ص: ۱۵۹

۵۔ محمد خان اشرف، ڈاکٹر "تنقیدی و تحقیقی مطالعہ"، ص: ۱۵۷

۶۔ امت الحمید کوثر، ڈاکٹر "زبان وادب" مشمولہ "اردو نثر کے اسالیب" (مرتبہ) ڈاکٹر عقیلہ جاوید ص: ۶۵

۷۔ ایضاً، ص: ۴۶

۸۔ سنبل نگار "اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ" مشمولہ "آزادی کے بعد دہلی میں اردو" (مرتبہ) ڈاکٹر نصیر احمد خان، ص: ۳۰۵، ۳۰۶

۹۔ طیبہ خاتون، ڈاکٹر "اردو میں ادبی نثر کی تاریخ"، ص: ۸۷

۱۰۔ ڈاکٹر سید عبداللہ "سرسید اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر"، ص: ۸